پروفیسر خالد شبیر احمد
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام

قسط ۱۶

اکابرِ اسلام اور قادیانیت

آپ نے دیکھا کہ کس طرح قادیانی ذرائع ابلاغ اصل حقائق کو چھپا کر لوگوں کو جل دینے کی کوشش کرتے ہیں یوں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ حالانکہ سب سے بڑا بے وقوف وہ خود ہوتا ہے جو ایسا کہتا ہے۔ تاریخ احمدیت کے مصنف مولوی دوست محمد شاہد سے پوچھا جائے کہ جس طرح تم نے تاریخ احمدیت جلد پنجم کے صفحات پر مرزا بشیر الدین محمود کے تقدس کا فائز قائم کرنے کی کوشش میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ کیا تم اس کوشش میں کامیاب ہوگئے ہو۔ یہ تحریریں جو میں نے آپ کے اس نام نہاد تقدس کے جواب میں پیش کی ہیں ان کا قادیانیوں کے پاس کیا جواب ہے؟ اب دوسری شہادت ملاحظہ کیجیے جو عبدالرحمٰن مصری کے بیٹے الحافظ بشیر احمد مصری جو بعد میں احرار کی وساطت سے مسلمان ہوگئے تھے' کی ہے۔ جس کا تعارف ''قادیانیت سے اسلام تک'' کے مصنف جناب محمد متین خالد صاحب' کتاب کے صفحہ ۱۱۱ پر یوں کراتے ہیں۔

''الحافظ بشیر احمد مصری ۱۹۱۴ء میں ہندوستان کے قصبہ قادیاں میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے عربی میں بی اے آنرز میں ڈگری لی۔ آپ جامعہ الازھر (مصر) سے بھی فارغ التحصیل ہیں۔ اور لندن سے صحافت (Journalism) میں بھی سند یافتہ ہیں۔ آپ کی زندگی کے بیس برس مشرقی افریقہ میں بسر ہوئے۔ جہاں وہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر کے علاوہ بہت سی انجمنوں اور سماجی اداروں کے ذمہ دارانہ عہدوں پر کام کرتے رہے۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۸ء تک پانچ برس آپ ماہنامہ ''اسلامک ریویو'' کے ایڈیٹر رہے۔

معروف قادیانی لیڈر عبدالرحمٰن مصری کے صاحبزادے تھے۔ عربی' انگلش' اردو اور فارسی کے فاضل تھے۔ ان کے والد قادیانی خلیفہ مرزا محمود کے دستِ راست تھے۔ مرزا محمود ایسا ہوس پرست' خواہشاتِ نفسانیہ کا پجاری اور زنا کار بیوپاری تھا۔ کہ اپنے دوستوں کی اولاد پر ہاتھ صاف کرنا' یا ان کی عزتوں سے کھیلنا' اس کی لُغت میں کوئی معیوب نہ تھا۔ اس نے اپنی ہوس کا نشانہ عبدالرحمٰن مصری کے خاندان کو بنایا۔ مصری نے مرزا محمود کو ایسے درمندانہ خطوط لکھے۔ جس نے مرزا محمود کی تقدس مآبی کو خاک میں ملا دیا۔ خطوط میں مصری نے اپنی مظلومیت کو ایسے انداز میں ثابت کیا ہے' جسے پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن مصری نے مرزا محمود کے کرتوت دیکھ کر ''لاہوری گروپ'' میں شمولیت اختیار کر لی۔ ''آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا'' حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کہا کرتے تھے کہ عبدالرحمٰن نے غلط کار پایا محمود کو اور سزا دی اس کے ابا مرزا قادیانی کو کہ وہ پہلے

اسے نبی مانتے تھے پھر ولی ماننے لگے۔حافظ بشیر احمد مصری لاہوری گروپ کے مرکز ووکنگ مسجد لندن کے امام بن گئے۔۱۱فروری ۱۹۶۸ء کو مناظرِ اسلام مولانا لال حسین اختر نے ووکنگ مسجد میں تقریر کی۔تقریر کے اختتام پر حافظ بشیر احمد نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا (یہاں صرف اعلان کیا ہوگا ورنہ مسلمان تو وہ افریقہ روانہ ہونے سے پہلے ۱۹۴۰ء میں ہو چکے تھے) اور مسجد مسلمانوں کے سپرد کر دی۔آج بھی وہ مسجد مسلمانوں کے پاس ہے۔مرزا طاہر نے جب مباہلہ کا چیلنج دیا تھا تو اس کی کاپی حافظ بشیر احمد مصری کو بھی بھجوائی۔خدا کا کرم دیکھئے مصری صاحب نے اس کا جواب لکھا۔مرزا محمود سے مرزا طاہر تک اس کے تمام خاندان کو زانی' شرابی' بدکار' اغلام باز نہ معلوم کیا کچھ تحریر کیا۔مرزا طاہر کو سانپ سونگھ گیا۔مصری نے اس کا اردو اور انگلش ایڈیشن شائع کرایا۔مصری صاحب ہر سال ختم نبوت کانفرنس برطانیہ میں شرکت کرتے تھے۔عالمی مجلس کے رہنماؤں سے ان کے والہانہ تعلقات تھے۔چند سال ہوئے' فوت ہو گئے ہیں۔قدرت ان سے رحم و کرم کا معاملہ فرمائے۔

الحافظ مصری صاحب برطانیہ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ریڈیو پر آپ کے خطاب ٹیلیویژن پر تقاریر' مکالمات اور مختلف جرائد میں مضامین نے اس ملک میں انہیں قابلِ رشک ادیبانہ اور فاضلانہ مقام دیا۔ان کی ایک کتاب انگریزی اور عربی میں ''الجرفق بالحیوانات فی الاسلام'' (اسلام میں جانوروں کے حقوق)(The Islamic concern for animals) کے عنوان سے چھپی۔جس میں سو کے قریب آیاتِ قرآنی اور پچاس کے قریب احادیثِ رسول ﷺ کے حوالہ جات سے اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی۔یہ کتاب ساری دنیا میں خصوصاً مغربی ممالک میں بہت مقبول ہو رہی ہے۔اس موضوع پر جو بہت جامع ہے ''اسلام اور حیوانات'' کے عنوان سے انگریزی میں زیرِ طبع ہے۔موصوف کئی دوسری کتابوں کے بھی مصنف ہیں' جو انگریزی میں ہیں۔

زیرِ نقطہ مضمون میں مصری صاحب نے اپنے ذاتی مشاہدات پر مبنی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جو سب مسلمانوں کی آنکھیں کھول دے گا۔خصوصاً ان سیدھے سادے نوجوانوں کے لیے جو قادیانیت جیسے دھوکہ بازوں کے دامِ فریب میں پھنس سکتے ہیں یا ان کی مظلومیت سے متاثر ہیں۔

بشیر احمد مصری کی شہادت

''سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا افسانہ کیا''

دوسری گواہی

''میرے بہت سے دوستوں نے متعدد مرتبہ مطالبہ کیا ہے کہ میں قادیانیت پر مبنی اپنے مشاہدات اور خیالات قلم بند کروں۔تاکہ میری زندگی میں ہی وہ ضبطِ تحریر میں آ جائیں۔اس مختصر مضمون میں یہ ممکن نہیں کہ تفصیلات میں جایا جائے۔اس لیے میں اختصار کے ساتھ صرف ان حالات کا خلاصہ درج کر رہا ہوں۔جن کی بنا پر میں

نے قادیانیت کی بے راہ رواور منافقانہ جماعت سے توبہ کی۔۱۹۱۴ء میں سوئے اتفاق سے قادیان میں پیدا ہوا۔ میری پیدائش کی جائے وقوع کا حادثہ میری ۷۴ سالہ زندگی میں کلنک کا ٹیکہ بنا رہا۔ بچپن میں مجھے یہ ذہن نشین کرایا گیا کہ ''احمدیوں'' کے علاوہ دنیا کے سب مسلمان کافر ہیں۔ یہ درس وتدریس اس انتہا تک تھی کہ خدا کی ذات پر ایمان بھی نہیں ہوسکتا' جب تک کہ ''احمدیت'' کے بانی مرزا غلام احمد کی نبوت پر ایمان نہ ہو۔ نیز یہ کہ اس کے جانشین ہی اب بندے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہیں۔ لیکن اس کے برعکس جب میں نے سنِ بلوغت میں قدم رکھا تو اپنے ارگرد قادیانیوں کی اکثریت کو بدکردار' عیار اور مکار پایا۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں میں چند ایسے بھی تھے جو اس سلسلہ کے ابتدائی ایام میں اخلاص کے ساتھ اس جماعت میں شامل ہوئے تھے۔ اور اس دھوکے کا شکار ہوگئے تھے کہ یہ تحریک اسلام میں ایک تجدیدی تحریک ہے۔ لیکن اس قسم کے مخلص افراد کی تعداد بہت کم دیکھنے میں آئی اور پھر جن کو نیک اور مخلص پایا' ان میں بھی اکثر تو اتنے سادہ لوح تھے کہ ان میں اپنے گردونواح کے مذموم ماحول پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی صلاحیت ہی نہ تھی۔ اور یا پھر اپنے حالات کی مجبوریوں میں اتنے لاچار تھے کہ کچھ کرنہ پاتے تھے۔

میں نوعمری کے زمانہ میں اس قابل تو نہ تھا کہ ذہنی اعتبار سے اس بات کی اہمیت کو سمجھ سکتا کہ تحریک قادیانیت نے کس طرح اسلام کے مذہبی عقائد میں فتور ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ البتہ ان لوگوں کے خلاف میرا ابتدائی ردِعمل بداخلاقی اور جنسی بدکاریوں کی وجہ سے تھا۔ میری ذہنی اور روحانی نابالغی کی اس غیر پختگی کی حالت میں ہی قادرِ تقدیر نے مجھے طاغوتی آگ کی بھٹی میں پھینک کر میری آزمائش کی۔ میں ایک اٹھارہ برس کا صحیح الجسم اور کسرتی نوجوان تھا۔ جبکہ مجھے خلیفہ قادیان بشیرالدین محمود کا ایک پیغام ملا کہ وہ کسی نجی کام کے سلسلہ میں بلاتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا کہ جب میں اس شخص کو نیم دیوتا سمجھا کرتا تھا اور اس جذبہ کے تحت میں نے اس پیغام کو باعثِ عزت وفخر کے طور پر لیا۔ مجھے گمان ہوا کہ ''حضور'' میرے ذمہ کوئی ایسا مذہبی کام لگانا چاہتے ہیں جو رازدرانہ قسم کا ہوگا۔ ہماری پہلی ملاقات باضابطہ اور مقررہ اسلوب کے مطابق رہی' خلیفہ مجھ سے اِدھر اُدھر کے ذاتی سوالات پوچھتا رہا اور میں باادب واحترام جواب دیتا رہا۔ رخصت ہوتے وقت مجھے یہ ''حکم'' دیا گیا کہ میں اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کروں اور دوسری ملاقات کا تعین کر دیا۔ اس کے بعد مزید ملاقاتیں بتدریج غیر رسمی ہوتی گئیں اور مجھے رغبت دلائی گئی کہ میں ایک مخصوص ''حلقہ داخلی'' میں شامل ہوجاؤں۔

پتہ چلا کہ اس نیم دیوتا نے زناکاری کا ایک خفیہ اڈہ بنا رکھا ہے جس میں منکوحہ اور غیر منکوحہ حتیٰ کہ محرمات کے ساتھ کھلے بندوں زناکاریاں ہوتی ہیں۔ اس عیاشی کے لیے اس نے دلالوں اور کٹنیوں کی ایک منڈی منظّم کر رکھی ہے۔ جو پاکباز عورتوں اور معصوم دوشیزاؤں کو بہلا پھسلا کر امداد مہیا کرتی ہے جو عورتیں اس طرح ورغلائی جاتیں' وہ اکثر ان خاندانوں کی ہوتی تھیں جو اقتصادی لحاظ سے جماعتی نظام کے دست نگر ہوتے

تھے یا جن کے دماغ اندھی تقلید سے معطل ہو چکے تھے اس کے علاوہ اور بہت سی وجوہات اور مجبوریاں تھیں جس کے باعث بہت سے لوگ اس ظالمانہ فریب کے خلاف مزاحمت کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ گاہے بگاہے جب بھی کوئی ایسا شخص نکلا، جس نے سرکشی کی تو اس کا منہ بند کرنے کے لیے اسے جماعت سے خارج کر دیا جاتا اور اس کے خلاف منظم طریق پر طنز و استہزاء کی مہم شروع کر دی جاتی تا کہ اس کی بات پر کوئی بھروسہ نہ کرے۔

مرزا خاندان مذہبی اثر ورسوخ کے علاوہ قادیان اور گرد ونواح کی اکثر زمینوں پر حقوق جاگیرداری بھی رکھتا تھا، اور روحانی عقیدت کے ساتھ ساتھ ساکنانِ قادیان، قوانین جاگیرداری میں جکڑے ہوئے تھے۔ اپنے مکانوں کی زمینیں خریدنے کے باوجود بھی انہیں مالکانہ حقوق نہیں ملتے تھے۔ اور ان کی زمین اور مکانات جاگیردار کی اجازت کے بغیر غیر منقولہ ہی رہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنا سب کچھ بیچ کر قادیان کی نام ونہاد مقدس بستی میں اپنے بیوی بچوں کو بسانے کے لیے لائے تھے۔ اس قسم کے حالات میں اور خصوصاً اس زمانہ میں کون جرأت کر سکتا تھا کہ اس خاندان کا مقابلہ کرے۔ جن لوگوں نے ذرا بھی صدائے احتجاج بلند کی وہ یا تو اس طرح مار دیئے گئے کہ ظاہراً کسی حادثے سے مرے ہوں یا پھر ایسے لاپتہ ہو گئے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ جب یہ سب ستم ہائے پارسائی ہو رہے تھے۔ مسلمان علماء سادگی میں یہ گمان کئے بیٹھے تھے کہ مرزائیت کو عقائد کی رُو سے مناظروں اور مباحثوں کے مچانوں میں شکست دے دیں گے۔

جب میں اس انتہائی اور ذلیل وحشیانہ ماحول سے دوچار ہوا تو اپنی لاچارگی کے احساس سے دماغ مختل ہو گیا۔ مجھے ابھی تک وہ بیدار راتیں یاد آتی ہیں۔ جن میں، میں بے یار و مددگار خاموش آنسوؤں سے اپنے تکیے تر کیا کرتا تھا۔ اس خیال سے کہ میری باتوں پر یقین نہیں کیا جائے گا۔ میں اپنے والدین کو بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ یہ کیا اودھم مچا ہوا ہے۔ اس طرح اپنے دوستوں سے بھی ان حالات پر تبادلہ خیالات نہ کر سکتا تھا کہ کہیں وہ خلیفہ کے مخبروں سے ذکر نہ کر دیں۔ میرے لئے ایک راستہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کہیں روپوش ہو جاؤں لیکن اس کا ایک نتیجہ ہی ہوتا کہ میری تعلیم چھٹ جاتی۔ اس کے علاوہ یہ اخلاقی ذمہ داری بھی مانع تھی کہ اپنے والدین کو ان بدچلنیوں اور بدکاریوں سے لاعلمی کی حالت پر چھوڑ کر فرار ہو جانا، ان سے دغا کرنے کے مترادف ہوگا۔

اس ذہنی کش مکش کی حالت میں یہ خیال بھی آتا کہ اس مذہبی دھوکہ باز کو قتل کر دوں، لیکن باوجود کم عمری کے منطقی استدلال غالب آ جاتا کہ قتل کی صورت میں عوام الناس یہ غلط نتیجہ نکالیں گے کہ قاتل کوئی مذہبی متعصب تھا اور مقتول کو تاریخی اسناد ایک شہید کا درجہ دے دیں گے۔ پھر یہ بھی سوچتا تھا کہ فوری اور ناگہانی موت اس شخص کے لیے عقوبت کی بجائے ایک نعمت بن جاوے گی۔ اس قسم کا شخص تو ایسی موت مرنے کا مستحق ہوتا ہے جو معذبانہ ہو محض اس لیے نہیں کہ وہ اس قسم کے پاجیانہ اور ظالمانہ افعال کرتا ہے۔ بلکہ خصوصاً اس لیے کہ وہ یہ افعال مذمومہ خدا اور مذہب کے نام پر کرتا ہے۔ (جاری ہے)